مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

شائع کردہ:
مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-نئی دہلی

مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

شائع کردہ:
مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
76A/1، مین بازار، اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

(©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

نام کتاب: .... مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت

مؤلف: .... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

طبع سوم: .... نومبر ۲۰۰۷ء

تعداد: .... ایک ہزار

کمپوزنگ: .... مرکزی دفتر بورڈ (فیضان احمد ندوی)

پروف ریڈنگ: .... وقارالدین لطیفی ندوی

صفحات: ۲۰

قیمت: .... ۱۵؍روپے

ناشر

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ-نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ وتعارف

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه و آله و اصحابه و سلم۔

پیش نظر مقالہ وہ خطبہ ہے جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کانفرنس منعقدہ ۶/۷/۸/اپریل ۱۹۸۵ء میں بحیثیت صدر بورڈ کے ۶/اپریل کو بورڈ کے اجلاس میں زبانی ارشاد فرمایا تھا، اس اجلاس میں مسلمانانِ ہند کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں، مسلم تنظیموں، اور مختلف مکاتبِ خیال کے ذمہ داروں، مسلم دانشوروں، اور سربرآوردہ علماء اور قانون دانوں کی ایک بڑی تعداد شریک تھی، تقریر ریکارڈ ہوگئی تھی، کیسٹ سے نقل کرانے اور مولانا کی نظر ثانی کے بعد اس خیال سے شائع کیا جارہا ہے کہ اس میں مسئلہ کے اصولی و بنیادی پہلو آگئے ہیں اور مسلم پرسنل لا کے متعلق غلط فہمیوں کا پس منظر اور ان کی نفسیات، الٰہی و آسمانی قانون اور دنیوی و انسانی قانون کے درمیان نازک فرق اور یکساں سول کوڈ کے ملکی اتحاد کی راہ میں غیر مؤثر و غیر منطقی ہونے کی وضاحت ایسے دل نشیں انداز میں ہوگئی ہے جس سے نہ صرف حقیقت پسند غیر مسلم حضرات بلکہ خود مسلمانوں کو بھی اس مسئلے کے بارے میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل ہوسکے گی۔

افسوس ہے کہ کیسٹ کے تاخیر سے حاصل ہونے اور مولانا کے مسلسل سفروں کی وجہ سے رسالے کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی ہے، پھر بھی وہ ایک فکر انگیز، بصیرت افروز، اور ایک تاریخی دستاویز ہونے کی بنا پر مستقل افادیت اور قدر و قیمت کا حامل ہے، اس لئے امید ہے کہ اسے پوری توجہ اور اہمیت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

شمس تبریز خاں

رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

۲۶/رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

۱۶/جون ۱۹۸۵ء

خطبۂ صدارت

اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ کلکتہ

(۶/اپریل ۱۹۸۵ء)

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

حضرات! سب سے پہلے میں اس بات پر معذرت کرتا ہوں کہ میں اس اہم موقع پر کوئی لکھا ہوا خطبہ پیش نہیں کر رہا ہوں، میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اندرونی اور بیرونی سفروں میں مشغول رہا، اور مسلسل انہماک اور مصروفیت رہی لیکن اس غیر ارادی اور اضطراری کوتاہی میں خیر کا بھی ایک پہلو ہے، تیار کئے ہوئے بلند پایہ خطبہ ہائے صدارت کی افادیت اور اہمیت کو کم کئے بغیر جواب ہماری علمی، ادبی و سیاسی تاریخ کا جز بن گئے ہیں، میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ بعض مرتبہ خطبۂ صدارت کل کا کل یا اس کا کوئی جز بے محل یا بعد از وقت ثابت ہوتا ہے، اور حالات میں تغیر کی وجہ سے اپنی تازگی اور برجستگی کھو چکا ہوتا ہے، اس لئے شاید اس میں بھی حکمت الٰہی کو دخل ہو کہ اس فضاء میں تازہ حالات کے مطالعہ کے بعد آپ سے براہِ راست خطاب کر رہا ہوں۔

حضرات! کسی بھی مسئلہ سے اختلاف یا کسی حقیقت سے گریز اور مخالفت کا باعث صرف مخالفت کا جذبہ، عناد یا سیاسی مصالح اور مفادات ہی نہیں ہوتے، اکثر غلط فہمی یا ناواقفیت یا ناقص واقفیت (جسے میں ناواقفیت سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہوں) اس کی ذمہ دار ہوتی ہے، افراد اور خاندانوں کی سطح پر بھی، ملتوں اور قوموں کی سطح پر بھی اور

ملکوں اور سلطنتوں کی سطح پر بھی ایسی غلط فہمیاں، ناواقفیت اور ناقص واقفیت بڑے اہم اور سنگین نتائج کا سبب بنی ہے، اور قوموں، تہذیب وتمدن، سلطنتوں اور مذاہب کی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی غلط فہمی، ناواقفیت یا ناقص واقفیت کی بناء پر بے ضرورت جنگیں برپا ہوگئی ہیں، سلطنتیں سلطنتوں سے ٹکرائی ہیں، اور بعض اوقات وحشتیں وحشتوں سے نہیں وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائی ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں بھی نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے نہ اس کا شوق ہے کہ ہم ان سب لوگوں کے بارے میں جو ملت اسلامیہ کے دائرے سے باہر ہیں، یا ان گروہوں، عناصر یا مکاتب خیال پر جو مسلم پرسنل لا کے مخالف ہیں اور جو ہندوستان پر یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے داعی اور اس کے حامی ہیں، یہ الزام لگائیں کہ ان میں مخالفت ہی کا جذبہ یا عناد کام کررہا ہے، میرا خیال ہے کہ اس میں غلط فہمی اور زیادہ تر ناقص واقفیت کو دخل ہے۔

مسلمانوں کے عائلی قانون کی اہمیت اور صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق میں دو حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور ان سب حضرات کو جو مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کے عادی ہیں، اور ان میں حب الوطنی کا جذبہ ہے اور ان کا ذہن تخریبی Destructive نہیں بلکہ تعمیری Constructive اور حقیقت پسند Realistic واقع ہوا ہے، اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، دو بنیادی حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور اس مؤقر مجلس کے توسط سے صحافت اور ابلاغ عامہ Public Media کے سنجیدہ اور ذمہ دار ذرائع سے میں اپنی آواز دور دور تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

ا۔ مذاہب کے تقابلی مطالعہ Comparative Studies کی روشنی میں جس کا میں ایک طالب علم ہوں ان تمام آسمانی مذاہب کے بارہ میں کہہ سکتا ہوں جو صحیفے رکھتے ہیں، اور جن کے یہاں نبوت کی تاریخ ہے لیکن میرے لئے زیادہ محتاط صورت یہ ہے کہ میں اس دین کی طرف سے عرض کروں جس سے میرا اور آپ کا انتساب ہے کہ اس کی ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں کے ذریعہ، سماجی خدمتگاروں، اصلاحی کام کرنے والوں Reformers یا بانیانِ سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظامِ فکر، دبستان School of thought اور خالص مطالعہ، غور وفکر، اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل سرحدی لکیر Line of Demarcation ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، یہ حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث Confusion ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور

معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقے پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حدّ فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ، سماجیات کا علم Social Sciences تہذیب و تمدن Civilization سوسائٹی اور انسانی معاشرہ، یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں، اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ School of Thuught بھی ہے، لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک دین ہے، اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا، بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا، اور وہ ان کے لئے اسی درجہ قابل احترام اور قابلِ اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے وما ینطق عن الھویٰ ① اِنْ ھو الا وحیٌ یوحیٰ ① (سورہ نجم ۳،۴)، (وہ خواہش نفس سے منھ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے، (جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے) ما کنت تدُری ماالکتاب ولا الایمان ولکن جَعلنٰہ نوراً نَّھدیٌ بہ من نشاء من عبادِناط وَ انّک لَتَھدِیُ الیٰ صِراطٍ مُّستَقِیم ① (سورۃ الشوریٰ ۵۲)، (آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک نور کی طرح آپ کے سینہ میں اُتارا، اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمدؐ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو)۔

اچھے اچھے سنجیدہ اہل علم اور اہل فکر اس مغالطہ میں ہیں، اس پر انہوں نے اپنی عمریں گذار دیں۔ ایک کتب خانہ تیار ہو گیا، اور اس نے غیر ضروری طور پر ایک مہم اور ایک معرکہ آرائی Conflict کی شکل اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں، سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ جس دین کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہیں، ان سے توقع اور مطالبہ کرتے ہیں، ان کو مشورہ دیتے ہیں، پہلے آپ ان کا مزاج اور ان کا امتیاز سمجھ لیں، وہ پیغمبروں کی ایک ایسی جماعت اور اس جماعت اور اس جماعت کے خاتم اور اس جماعت کے فردِ اکمل کے تابع ہیں جس کا رشتہ وحی الٰہی سے تھا، اور وہ خود وحی کا انتظار کرتا تھا، بیسیوں حدیثیں ہیں جو میں اس وقت آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا کہ لوگ پوچھنے آئے آپ نے کہا انتظار کرو، آپ خود انتظار کرتے رہے، اور بعض مرتبہ تو ایسا ہوا کہ سائل موجود ہے، اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور کسی صحابی نے اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو، تم دیکھنا چاہتے تھے کہ وحی کس طرح آتی ہے تو دیکھ لو، بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ساق مبارک کسی کی ساق پر تھی، اور وحی کا نزول شروع ہوا، وہ کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ میری ٹانگ ٹوٹ جائے، اتنا بوجھ تھا، اس لئے کہ وحی کے ساتھ ایک بوجھ ہوتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مادی دنیا سے آپ کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اور آپ کسی اور عالم میں ہیں، اور اس کے بعد آپ نے وحی کے الفاظ سنانے شروع کئے، ایک مرتبہ کفار نے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا، آپ نے وحی کا انتظار کیا، یہاں تک کہ کئی روز (پندرہ دن) گزر گئے اور کفار کو اعتراض کا موقعہ مل گیا، جب سورہ کہف نازل ہوئی تب اس کا جواب آیا، اور اللہ تعالیٰ نے وہ قصہ سنایا (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۶۶) آپ نے اس طرح سنایا جیسے

کوئی کتاب پڑھ کرسنائی جاتی ہے۔

وحی ونبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلا سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی ونبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں، کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی کی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں، عدالت میں پہلی بات یہ طے کی جاتی ہے کہ تمہیں بحث کرنے کا حق ہے یا نہیں، یہاں بڑے بڑے تجربہ کار قانون داں موجود ہیں، ان کو پہلے اپنی سند وکالت پیش کرنی ہوتی ہے اگر معلوم ہے فاضل جج کو کہ یہ باقاعدہ قانون کے فاضل ہیں اور سند رکھتے ہیں وکالت کی، اور مقدموں میں آتے رہتے ہیں تو ضرورت نہیں، لیکن پہلی مرتبہ کوئی وکیل یا بیرسٹر جائے گا تو یہ اطمینان کیا جائے گا کہ یہ قانون کا طالب علم رہا ہے، اور قانون کی سند اس کے پاس ہے یا نہیں، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ مؤکل نے بھی اس کو اپنا ترجمان بنایا ہے یا نہیں، لیکن دین کا معاملہ عجیب وغریب ہے کہ اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کی تاریخ معلوم کئے بغیر، اس کی روح معلوم کئے بغیر ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس کے بارے میں مشورہ دے، اور یہاں تک کہ ترمیم اور اصلاح کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو قبول نہیں کیا جاتا تو اس دین کے ماننے

والوں پر جمود وجہالت کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان کو کم عقل ثابت کیا جاتا ہے۔

میں اصلاً مذہب کا طالب علم ہوں، زیادہ سے زیادہ تاریخ وادب کا طالب علم ہوں، میں کسی وقت یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ کسی ایسے فن یا مسئلہ میں دخل دوں جس کے مبادی Fundamentals سے بھی میں ناواقف ہوں، اگر کوئی شخص سائنس کے مبادی، فزکس کے مبادی یہاں تک کہ ریاضی Mathematics کے مبادی سے (جو روز مرہ کی ضرورت ہے) ناواقف ہے تو دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان اس کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ یہ کہے کہ فلاں ماہر ریاضی نے یہ نتیجہ جو نکالا ہے غلط ہے! لیکن کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس کے متعلق جس کا جی چاہے، جس وقت جی چاہے اور جس انداز میں جی چاہے مشورہ دیا جائے، اس کی ترجمانی کی جائے اور اس میں خامیاں نکالی جائیں اور اس میں ترمیمات پیش کی جائیں، اس سے پورے نظام علم پر اثر پڑے گا، عصر حاضر کا سارا نظام اعتماد واختصاص Specialisation پر چل رہا ہے کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کے ماہرین خصوصی کی کوئی قیمت نہیں؟ پھر مذہب کی ایک زبان ہوتی ہے، مذہب کے اصطلاحات ہوتے ہیں، اس کے الفاظ کے اعماق (گہرائیاں) وآفاق (وسعتیں) ہوتے ہیں، اس کی نفسیات ہوتی ہیں، یہ ساری چیزیں جانے بغیر کوئی شخص بھی (خواہ وہ مسلمان ہو، غیر مسلم ہو اور کسی گروہ کا آدمی ہو) اگر کہتا ہے کہ صاحب، مسلمانوں کے عائلی قانون کا فلاں مسئلہ غلط ہے تو وہ اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے، وہ پورے سیاق وسباق سے ناواقف ہے، اس توازن وتناسب سے ناواقف ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے، آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ایک مکمل ڈھانچہ اور جامع ماحول کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو مجموعی طور پر

دیکھنا ہوتا ہے، حالت یہ ہے کہ چوراہے پر کھڑے ہوکر (اور یہ اخبارات بھی ایک طرح کے گھومتے پھرتے چوراہے ہیں) جس کا جی چاہتا ہے قلم اٹھا کر لکھ دیتا ہے، اس سے ایک انارکی پیدا ہوتی ہے، ذہنی انارکی سیاسی انارکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ملکوں کی تاریخ میں پولٹیکل انارکی سے پہلے منٹل انارکی اور اخلاقی انتشار پیدا ہوتا ہے، اسلام کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر عرض کرسکتا ہوں کہ اس کا ایک طالب علم ہوں، فاضل نہیں کہتا لیکن مانا ہوا طالب علم ہوں، اور یہ بال اسی طالب علمی میں سفید ہوئے ہیں کہ دین کے متعلق پہلے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، شریعت آسمانی سے ہے، اس کے لانے والے پیغمبر ہیں، یہودی تک اپنے دین وملت کے بارے میں غیور واقع ہوئے ہیں، آپ کسی یہودی سے یہ کہہ کر دیکھئے کہ تمہارا یہ مسئلہ غلط ہے، تمہارا یہ قانون غلط ہے تو وہ کہے گا کہ ہمارے قانون کا تعلق شریعت موسوی سے ہے، بائیبل سے ہے، ہم تو اس کے پابند ہیں، ساری دنیا بھی اگر کہے کہ یہ غلط ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ آج بھی اسرائیل کا پورا نظام معاشرت، اور ان کا عائلی قانون اسی پر چل رہا ہے۔

یہودیوں کے ذکر پر مجھے ایک بات یاد آگئی، اسرائیل سے ایک پرچہ نکلتا تھا، اس میں ایک مقدمہ کی کارروائی تھی، اس میں ایک مضمون تھا کہ اسرائیل کے عرب مسلمان باشندوں نے اسرائیل کی عدالت عالیہ میں یہ رٹ دائر کی کہ ہمیں تعدد ازواج کی اجازت دی جائے، اس لئے کہ ہمارے یہاں تعدد ازواج کی اجازت ہے، فاضل جج نے وقت مانگا، اس نے کہا کہ اسلام کے جو اولین ماخذ ہیں، اور جو کتابیں سند کا درجہ

رکھتی ہیں، میں ان کا مطالعہ کروں گا، اسرائیل میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عربی سے واقف ہے، وہ پہلے سے فلسطین میں رہتے تھے، وہ بے تکلف عربی بولتے ہیں، جج نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ کیا، فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ میں بداہتاً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعدد ازواج کی قرآن وحدیث اور اسلامی شریعت میں کھلی اجازت ہے، اور ہم اس کا علمی وتاریخی طور پر انکار نہیں کرسکتے، لیکن چونکہ فلاں اسلامی ملک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اس لئے اسرائیل کو جو ایک غیر اسلامی ملک ہے اور شریعت اسلامی کا پابند نہیں، ضرور اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں کی مسلم آبادی پر پابندی عائد کرے۔

پھر اس مسئلہ پر ملک اور اہلِ ملک کی توانائی کیوں ضائع کی جارہی ہے، ملک اور اہل ملک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، ملک کی تعمیر وترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ذہنی انتشار، بدگمانی اور خوف کی فضا ختم کی جائے کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کرسکتا کہ اس کی آبادی کے مختلف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارے میں شکوک وشبہات ہوں، اور اس سے بڑھ کر ملک کے لئے بدخواہی نہیں ہوسکتی کہ وہ توانائی جو ملک کی سالمیت، اس کی حفاظت اور تعمیر وترقی میں صرف ہونی چاہئے تھی، وہ شکوک وشبہات کو رفع کرنے میں یا شکوک وشبہات کی فضا میں زندگی گذارنے میں خرچ ہو، میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح ان چیزوں کی معتقد اور ان پر یقین کرنے والی نہیں ہوگی جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں، اور جو ہمارے لئے ضروری ہیں تو مسلمانوں کے اندر ایک تذبذب اور اندرونی انتشار کی وہ کیفیت پیدا ہوگی جو

صرف مسلمانوں کے لئے مضرنہیں ملک کے لئے بھی مضر ہے، یہ ہرگز دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ جب ملک میں کوئی مصیبت نہیں آئی، کوئی سائیکلون نہیں ہے، کوئی ایمرجنسی کی کیفیت نہیں ہے، کوئی آسمان سے اولے یا گولے نہیں برس رہے ہیں، کسی نے اس لئے حملہ نہیں کیا ہے کہ آپ مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کرائیے ورنہ ہم اس ملک پر قبضہ کرتے ہیں، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ آواز بلند ہوتی رہتی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی جائے؟

۲۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے اس بارہ میں مذاہب میں خود اختلاف ہے، اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کرلیا ہے مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے، اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے جامع بھی قرآن شریف میں ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّةً ص وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (سورۃ البقرہ: ۲۰۸) (اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔)

یہاں تحفظ نہیں رزرویشن نہیں کہ اتنا آپ کا اتنا ہمارا، اتنا ملک کا، اتنا اسٹیٹ کا،

اتنا خدا کا، اور اتنا خاندان اور قبیلہ کا، اتنا دین وملت کا اور اتنا سیاسی مفادات کا، نہیں! جو کچھ ہے سب خدا کا ہے، یہاں سب عبادت ہی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی خدا کے سامنے عاجزانہ غلامانہ ہے، اسلام خدا کے سامنے مکمل سپردگی اور اپنے کو Surrender بلا شرط حوالہ کرنے کا نام ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وراثت میں ہمارے اقتصادی حالات کا تقاضا کچھ اور ہے، یہاں کی مجبوریاں، یہاں کے تمدنی تقاضے، معیارِ زندگی اور ہمارے خاندان کی پچھلی تاریخ، یہ سب اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم وراثت تقسیم نہ کریں، ہم اس زمین کو اسی طرح باقی رکھیں، کم سے کم لڑکیوں کو حصہ نہ ملے اس لئے کہ شادی کے بعد یہ حصہ ان کے گھروں کو چلا جاتا ہے، اس کا بالکل اختیار نہیں، اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دین کا دائرہ پوری زندگی پر حاوی ہے، اور اس میں کسی کو بھی ترمیم کا حق نہیں، بڑی سے بڑی عدالت، بڑی سے بڑی قوت حاکمہ، اور بڑی سے بڑی ہیئت منتظمہ اور بڑی سے بڑی دانش گاہ اور یہاں تک کہ بڑے سے بڑے مجتہد اور امام وقت کو بھی ان چیزوں میں جو قرآن مجید میں منصوص وقطعی ہیں ایک لفظ، ایک نقطہ کی ترمیم کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ سارے علماء بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سامنے کہہ رہا ہوں، اور اگر یہ بات غلط ہے تو ان کا دینی تبحر اور احساس فرض انہیں مجبور کرے گا کہ یہ میری تردید کریں۔

ان دو حقیقتوں کو اگر سمجھ لیا جائے ایک تو یہ کہ یہ دین ہمیں وحی سے ملا ہے، پیغمبر کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم ہے، قرآن مجید میں صاف صاف آتا ہے، ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورۃ

الجاثیہ-۱۸)(اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کو دین کے خاص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے تو آپ اسی پر چلتے جایئے، اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔ ۱؎)

نبی معصوم اور نبی محبوب سے یہ کہا جا رہا ہے تو ہم سے کیسے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم شریعت کو بدل دیں۔

یہ دو حقیقتیں ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اس غلط فہمی کا پردہ ہی چاک ہو جاتا ہے اور ایک غیر ضروری صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس پر اپنی ذہانت صرف کرنے سے ہمیں چھٹی مل جاتی ہے، اور ملک وحکومت کو دوسرے ضروری کاموں کے لئے وقت بچ جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کے لئے سالمیت کے لئے اور مشترک وطنی شعور کے لئے ضروری ہے کہ ایک مشترک واحد عائلی قانون (Uniform Civil Code) نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکول کا بچہ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم جو ہوئی تھی، وہ اصلاً وابتداء برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرسچین ہیں بلکہ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عائلی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کر سکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں

۱؎ دینی احکام کا دوسرا ماخذ سنت ہے (جو وحی غیر متلو ہے) اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور آپؐ کا کسی فعل پر سکوت اور اس کا برقرار رکھنا ہے، اس پورے مجموعے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (سورۃ الحشر-۷) (اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو) سنت بھی حقیقۃً قرآن مجید کے کسی حکم کی تشریح، اجمال کی تفصیل یا اس سے استنباط کا نام ہے۔

لڑے؟ اگر یونیفارم سول کوڈ جنگ کو روک سکتا ہے اور نبرد آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہئے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ کرسچین اور پروٹسٹنٹ جن کی تہذیب بھی، عائلی قانون بھی بلکہ معاشرت بھی ایک ہے، وہ اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جا کر دیکھ آیئے کہ جو مقدمے آتے ہیں، مسلمان مسلمان کے خلاف مدعی ہے، مسلمان مسلمان کا مدعیٰ علیہ ہے، اور مسلمان مسلمان کی عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر ہل چلا دینا چاہتا ہے، ان دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، درحقیقت اختلافات اور دشمنوں کا تعلق نفسانیت سے، دولت پرستی کے جنون سے ہے، نفس پرستی اور مادیت سے ہے، اس غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے، جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، یہ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہو جانے سے اخلاقی صورت حال میں قطعاً ایک ذرہ کا فرق بھی نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ ہونا چاہئے، تاکہ آپس میں اتحاد والفت پیدا ہو۔

حضرات! جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا اس گروہ اور خاندان سے تعلق ہے جس نے سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، اور بیش از بیش حصہ لیا، کلکتہ کی یہ سرزمین خاص طور سے اس کی شہادت دیتی ہے کہ وہ ایمانی قافلہ حجاز جاتے ہوئے یہیں سے گذرا تھا، اسی خلیج بنگال سے روانہ ہوا تھا، اور اپنے مستقر سے یہاں

تک ایمان،توحیدوسنت اوردینی حمیت کی روشنی پھیلاتا ہوا آیا تھا(۱)اسی نے سارے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی روح پھونک دی(۲)۔قرآن کہتا ہے کہ تمہیں عصبیت اوربغض اس پرآمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے دو، اورتعصب وحق پوشی سے کام لو:

ولا یجرمنکم شَنَآنُ قَوۡمٍ علیٰٓ اَلَّا تَعۡدِلوا ؕ اِعۡدلوا ۣ وقف هو اَقۡربُ للتَّقۡویٰ (۳)

اورلوگوں کی دشمنی تم کواس بات پرآمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کروکہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔

انگریز اس بارہ میں زیادہ حقیقت پسند تھے، انہوں نے جب ہندوستان میں حاکمانہ طریقہ پرقدم رکھا توانہوں نے اچھی طرح یہ سمجھ لیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے عائلی قانون میں دخل نہیں دینا چاہئے، ان کواس میں آزادرکھنا چاہئے، اسی کے نتیجہ میں ہندوستان میں محمڈن لا کا اتنابڑا کام ہوا، اسی کلکتہ کی سرزمین پراورخاص طور

---

(۱)اس سے مراد حضرت سیداحمد شہیدؒ کا وہ قافلہ ہے جوحج کی نیت سے شوال ۱۲۳۶ھ (جولائی ۱۸۲۱ء)میں اپنے مستقر رائے بریلی سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوا تھا، آغاز میں اس میں چارسوآدمی شریک تھے، راستہ میں اضافہ ہوتا گیا، کلکتہ سے روانگی کے وقت تک ۶۹۳ آدمی ہوگئے، یہ سفر رائے بریلی سے کلکتہ تک دریائے گنگا کے راستہ سے ہوا تھا، اور ہرجگہ اصلاح وتبلیغ کا عظیم الشان کام انجام پایا تھا۔

(۲)ملاحظہ ہوسرولیم ہنٹر کی کتاب Our Indian Musalmans

(۳)سورۃ المائدہ:۸

پریادش بخیر رائٹ آنریبل جسٹس سیدامیرعلی کے ہاتھوں اورسرعبدالرحیم وغیرہ کے ذریعہ ہوا۔انگریزوں نے دوکام بڑی عقلمندی کے کئے، انہوں نے اس بات کو پالیا کہ بےضرورت جذبات کومجروح نہیں کرنا چاہئے اورمشکلات نہیں پیدا کرنا چاہئیں، یہ ایک ایسی قوم کا طرزعمل ہوتا ہے جوحکمرانی کا تجربہ رکھتی ہے، انہوں نے دوباتیں طے کیں، ایک تو یہ کہ عائلی قانون اور مذہب میں مداخلت نہیں ہونی چاہئے، دوسری بات یہ کہ نظام تعلیم سیکولر ہونا چاہئے کہ بلی کتے کے قصے پڑھاؤ مگرکسی دوسرے مذہب کی تلقین نہ کرو، ہم نے انگلش پرائمر اورریڈرس پڑھی تھیں، ان میں شروع سے اخیر تک یہ دیکھا کہ جنوں اوربھوتوں پریتوں تک کے قصے اورافسانے آئے، جانوروں کے قصے آئے لیکن کہیں یونانی رومن دیومالا (Mythology) کی بات کرسچین میتھالوجی کی بات نہیں آئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اطمینان کی کیفیت رہی، وہ بنیادیں دوسری تھیں جن بنیادوں پر ہندوستان کے مسلمانوں نے اوردوسرے عناصر نے مل کر یہاں غلامی کا جوا اپنے سر سے اتار کر پھینک دیا، اور جنگ آزادی لڑی، اور دونوں دانشمندانہ فیصلوں نے ان کی حکومت کی بقاء میں مدد کی اوراس کی مدت کودراز کیا، ورنہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ جوواقعہ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا وہ ۱۷۵۷ء میں پیش آسکتا تھا، اورپیش آنا چاہئے تھا، اور انیسویں صدی کے بالکل اوائل میں پیش آنا چاہئے تھا، یہ سوبرس سے زائد جوانہوں نے یہاں اطمینان سے حکومت کی، اس میں ان کی اس دانشمندی کو دخل ہے کہ باشندگانِ ملک کی مذہبیات میں ان کے عائلی قانون میں دخل نہ دو، ان کے نظام تعلیم میں دخل نہ دو، ان کوسکولر طریقہ پر پڑھاؤ، اپنے اپنے مذہب کے مطابق یہ عقیدہ

رکھیں، عمل کریں۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اوراس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسجد میں آپ مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت نظام تمدن، اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوتِ ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوتِ ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے، اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

آخر میں آپ کے اس اعتماد واعزاز کا نیز آپ کی توجہ والتفات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کا آپ نے مجھے اپنے خیالات کے بےلوث وآزاد طریقہ پر پیش کرنے کی اجازت دے کر اظہار فرمایا۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔